© rasailojaraid.com

نظرات

بڑے ہی افسوس اور صدمے کی بات ہے کہ مشہور عالم تحقیقی، علمی اور ادبی مرکز دارالمصنفین اعظم گڈھ کے ناظم اور اردو زبان کے ممتاز علمی، ادبی اور تحقیقی رسالے "معارف" کے مدیر سید صباح الدین عبدالرحمٰن کا اچانک ایک سڑک حادثے میں انتقال ہوگیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ وہ ۱۸ نومبر کو اپنے ایک عزیز اور مشہور مصنف سید شہاب الدین دسنوی کے ساتھ ایک رکشہ پر ندوہ سے فرنگی محل جارہے تھے کہ ایک گاڑی سے ان کی رکشہ سے ٹکرا گئی، اور گاڑی کی یہ ٹکر موت کی ٹکر ثابت ہوئی کیونکہ سید صباح الدین اس کی ٹکر کے جھٹکے سے سڑک پر گرے تو پیچھے سے آنے والے ٹرک نے ان کے سر کو کچل دیا اور وہ آناً فاناً اس دنیا کو چھوڑ کر دوسری دنیا کے سفر پر روانہ ہوگئے۔ یہ حادثہ ڈالی گنج کے لوہے کے پل کے قریب پیش آیا، ان کے ہمراہی سید شہاب الدین دسنوی پوری طرح محفوظ رہے اور انھیں کوئی گزند نہیں پہنچا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ موت صرف ان ہی کے لئے رکشہ تک آئی تھی اور ایک جھپٹے میں ان کی روح قبض کرکے، اس نے مشیت کے حکم کی تعمیل کردی۔ اللہ تعالیٰ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔

سید صباح الدین عبدالرحمٰن شبلی اسکول کے آسمان کے آخری تابندہ ستارے تھے اور اس سلسلے کی آخری کڑی تھے، جس نے مولانا شبلی نعمانی اور ان کے تربیت یافتہ مصنفین نے اردو ادب کے علمی، ادبی اور تحقیقی میدانوں میں ایسے کارنامے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اجاگر ہوتے گئے اور جس شعر و شاعری کی زبان اور زبانوں کی برادری میں سب سے کم عمر اور نئی زبان دنیا کی ترقی یافتہ اور علمی زبانوں کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر بات کرنے[1] کے قابل ہو گئی۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن کو اگرچہ شبلی کے دامن سے براہ راست وابستگی کا موقع نہیں ملا، لیکن وہ دارالمصنفین اور ماہنامہ معارف کے اس سنہری دور میں دارالمصنفین سے وابستہ ہوئے جو سید سلیمان ندوی کے علمی، تاریخی اور تحقیقی کارناموں اور ان کارناموں پر اقصائے عالم میں اٹھنے والے داد و تحسین کے شور سے گونج رہا تھا۔ انھوں نے تحریر کی تربیت اور تحقیق کا ذوق بھی سید سلیمان ندوی سے حاصل کیا، وہ کم و بیش پچاس برس تک دارالمصنفین کے ساتھ وابستہ رہے، اور اس آدھی صدی کی مدت میں انھوں نے دارالمصنفین کی تنگی اور فراخی کے دور دیکھے اور ہر حال میں خوش رہنے کے اصول پر کاربند رہ کر، دارالمصنفین کے ایک رکن کی حیثیت سے لے کر اس کی سربراہی کے منصب کے تمام مراحل دارالمصنفین کی عمارت میں رہ کر ہی طے کیے۔ اور تصنیف و تالیف سے لے کر مالیاتی شعبوں تک کے آدھی صدی کے تجربات سے حقیقی معنوں میں سبق حاصل کیے۔ اور ان ہی تجربات اور ان کے سبق کا نتیجہ تھا کہ وہ حقیقی معنوں میں دارالمصنفین کے ترجمان اور اس کی روح کے محافظ بن گئے تھے اور ان کی یہ حیثیت ساری دنیا میں مسلّمہ اور غیر متنازعہ تسلیم کر لی گئی، ان کا شمار اردو زبان کے ایسے ممتاز مصنف اور با وقار اہل قلم میں ہوتا تھا جو ہندوستان و ہندوستان سے باہر کی علمی، ادبی، تاریخی مجلسوں، سمیناروں اور اجتماعات میں عزو احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے اور ان کی شرکت ان اجتماعات کی شان میں اضافہ کا سبب بنتی تھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت امیر خسرو پر ان کا وہ مقالہ جو انھوں نے اردو میں لکھا اور اجودھیا کی بابری مسجد کی تاریخ جو انھوں نے دار المصنفین کی خلوتوں میں بیٹھ کر مرتب کی، ان کی تحقیقی صلاحیت، گیرائی اور گہرائی کے شاہد عادل کہے جا سکتے ہیں۔ وہ ہندوستان میں مذہبی رواداری کے بہت بڑے حامی تھے اور بڑھتی ہوئی فرقہ واریت کے رجحان سے بے حد دکھی اور پریشان رہتے تھے، اس لئے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ایسے موضوعات پر اپنے قلم کے جوہر دکھاتے تھے جو ہندوستان میں قومی یک جہتی، فرقہ وارانہ امن اور ہندو مسلمانوں کے درمیان فاصلے کو کم کرنے کے لئے مفید ثابت ہو سکیں، اس سلسلے میں مغل سلاطین کی مثالی رواداری اور صوفیائے کرام کی وسیع مشربی کے موضوعات پر ایسی تحریریں مقالوں کی شکل میں یادگار چھوڑیں جو ماضی کے ہندو مسلم اتحاد اور یگانگت پر مستند دستاویز کی حیثیت رکھتی ہیں۔

وہ سید سلیمان ندوی کے شاگرد ہی نہیں عاشق صادق بھی تھے، جب ان کا تذکرہ آتا تو ان کا قلم بے اختیار ہو کر لعل و گہر اگلنے لگتا تھا۔ انھوں نے سید سلیمان ندوی کی زیر تربیت تحریر و تحقیق کا ملکہ حاصل کیا تھا، وہ ان کے قریبی رشتہ دار بھی تھے۔ ان کے قلم سے کوئی چالیس کے قریب کتابیں نکلیں، ان میں بزم صوفیہ، بزم تیموریہ، بزم مملوکیہ اور ہندوستان کے عہد وسطیٰ کے مسلمانوں کی ایک جھلک، نے بڑی شہرت پائی۔ ان کی آخری تصانیف میں اورنگ زیب عالم گیر اور بابری مسجد کی تاریخ کا شمار کیا جا سکتا ہے۔ ان میں اورنگ زیب عالم گیر، جس میں انھوں نے جادو ناتھ سرکار کی متعصبانہ تحریروں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مثنوی مولانا روم کی ترجمانی بڑی جاں فشانی کے ساتھ کی ہے، غالباً ابھی تک شائع نہیں ہو سکی۔

---

۸۸ سالہ سید صباح الدین عبدالرحمن کا شمار اس وقت چوٹی کے مصنفین اور اہل قلم میں ہوتا تھا، ان کی تحریر میں سید سلیمان ندوی جیسی جامعیت، مولانا عبدالسلام ندوی جیسی گہرائی، مولانا عبدالسلام قدوائی جیسی سنجیدگی اور شاہ معین الدین احمد جیسی تازگی اور گہرائی نہیں تھی، لیکن ان کے قلم کی رعنائی شگفتگی اور رواں دواں تحریر کو اقبال کے الفاظ اور ان کے اشعار کے مفہوم سے ہم آہنگ کرتے چلنے کا فن، ان کے پیش روؤں کے قائم کردہ معیار میں اضافہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ اور اسی منفرد اسلوب کی بدولت ان کی تحریر اتنی شگفتہ اور اتنی دلآویز ہو گئی تھی کہ سیکڑوں تحریروں کے درمیان بھی اپنے البیلے انداز کے سبب ممتاز اور نمایاں نظر آتی تھی۔

جن لوگوں کو ان پر فوقیت حاصل تھی، وہ ان کے سامنے ہی سامنے اپنی زندگی کی مہلت پوری کر کے اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے، اس لئے اب شبلی اسکول کے اہل قلم اور صاحب اسلوب مصنفین میں ان کا کوئی ہم سر باقی نہ رہا تھا۔ وہ اپنی ملی دردمندی دانشوری اور دوسرے اخلاقی خصائص کے لحاظ سے ایک ایسی قابل احترام اور مقبول شخصیت کے مالک تھے کہ ہر مجلس میں ہاتھوں ہاتھ لیے جاتے اور ان کے وسیع اور گہرے مطالعہ اور علمی ژرف نگاہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حاضرین کو متعجب اور مسرور کر دیتے تھے۔

سید صباح الدین عبدالرحمن نے علی گڈھ مسلم یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی تھی، وہ علی گڈھ کے گریجویٹ بھی تھے اور انگریزی لکھنے پر بھی انھیں پوری قدرت حاصل تھی، لیکن انھوں نے تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد سرکاری ملازمت کے بجائے اردو کا ایک مصنف اور محقق بننے کو ترجیح دی، وہ دارالمصنفین اعظم گڈھ میں آئے اور انھوں نے بڑی قلیل تنخواہ پر دارالمصنفین کے رکن کی حیثیت سے اپنی علمی زندگی شروع کی، سید سلیمان ندوی کی صحبتوں اور ان کی تربیت کی بدولت جلد ہی ان کا شمار صاحب طرز مصنفین اور سلیقہ مند محققین میں ہونے لگا، اور ان کی شہرت ہندوستان کے علمی حلقوں کے علاوہ رسالہ معارف کی وساطت سے بین الاقوامی حلقوں تک پہونچ گئی۔ اور دنیا بھر کے علمی اداروں اور دانش گاہوں میں ان کے علمی اور ادبی اور تحقیقی مرتبہ کا اعتراف کیا جانے لگا۔ وہ دارالمصنفین کے ناظم، رسالہ معارف کے ایڈیٹر کے علاوہ ندوۃ العلماء کی مجلس منتظمہ، انجمن ترقی اردو ہند کی مجلس عاملہ اور اترپردیش کی مجلس منتظمہ کے ممبر بھی تھے۔ ان کے علاوہ وہ ہندوستان، پاکستان، برطانیہ اور امریکہ کے اہم اردو اجتماعات اور سمیناروں میں گئے جہاں انھوں نے اپنی دانش وری اور علمی وادبی صلاحیتوں کا اچھا اثر علمی، تحقیقی اور تاریخی حلقوں پر چھوڑا۔ ان اجتماعات اور سمیناروں میں انھوں نے جو مقالے پڑھے

© rasailojaraid.com

معارف جو مستقل کتابوں کی حیثیت رکھتے تھے، ان میں سے بعض مقالے کتابوں کی شکل میں شائع بھی ہوئے۔ سید صباح الدین کے پس ماندگان میں، ان کی بیوہ، دو لڑکیاں اور دو لڑکے ہیں، ان کی میت کی پہلی نماز ندوۃ العلماء کے صحن میں مولانا سید ابوالحسن ندوی نے پڑھائی، جس کے بعد ان کے جسد خاکی کو اعظم گڑھ لے جایا گیا، جہاں سوگواروں کی کثیر تعداد کی موجودگی میں انھیں آخری منزل پر پہونچا دیا گیا۔

اردو زبان کو، جو پہلے ہی اپنے عظیم المرتبت اہل قلم، شاعروں، اور مصنفین کی دائمی جدائی کے صدموں سے بے حال تھی، سید صباح الدین کی وفات سے زبردست صدمہ اور ناقابل تلافی نقصان سے دوچار ہونا پڑا ہے، جب تک وہ زندہ تھے، ان کے بعد رونما ہونے والی صورت حال کا تصور تک کسی کو نہ تھا، لیکن ان کے اچانک رخصت ہونے کے بعد دارالمصنفین پہلے سے زیادہ ویران اور مستقبل کے خوفناک اندیشوں کے ہجوم میں گھرا ہوا دکھائی دینے لگا ہے، وہ ایک ایسی قوم کے فرد تھے، جو زوال اور انحطاط کے ایسے دور سے گذر رہی ہے کہ ایک شخصیت کے دنیا سے گذر جانے سے ایک پورے ادارے کا وجود بے یقینی سے دوچار نظر آنے لگتا ہے۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن کی زندگی ہی میں دارالمصنفین اور شبلی اکیڈمی کے سلسلے میں ملکیت کے تنازعے کھڑے ہو گئے تھے اور مقدمہ بازی

© rasailojaraid.com

تک نہج پہونچی تھی، اب ان کے بعد معلوم نہیں وہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا۔ دارالعلوم دیوبند کے سلسلے میں جن لوگوں نے احاطہ سے باہر کمیٹیاں بنا کر ان کے ذریعے دارالعلوم پر قبضہ کی جو مثال قائم کی تھی اس کی بدولت ملک بھر میں کتنے ہی اہم اور تاریخی اداروں اور تعلیم گاہوں کا مستقبل خطرے میں پڑ گیا ہے اور ایک جگہ کی کامیابی، دوسری جگہ اسی طرح کی حرص کو جگانے کا سبب بن رہی ہے۔ بہرحال ہماری دعا ہے کہ دارالمصنفین کا موجودہ علمی اور تحقیقی معیار اور اس کا نمایاں کردار باقی رہے، اور علم و ادب و تحقیق کا یہ مرکز تخریب اور تباہی کی آندھیوں سے محفوظ رہے کہ ایسے ادارے صدیوں میں جا کر کہیں بنتے اور تعمیر ہو سکتے ہیں۔

© rasailojaraid.com